شمارہ نمبر 21 ، رجب ۱۴۳۱ھ ،الموافق جولائی ۲۰۱۰ء

یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے، جیسا کہ:

① زکوٰۃ کے متعلق عمومی دلائل سے ثابت ہے، یتیم کے بارے میں استثنیٰ ثابت نہیں ہے۔

② سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **ابتغوا بأموال الیتامی ، لا تأکلها الصّدقة .** ''تم یتیموں کے مالوں میں کاروبار کرو، کہیں ان کو زکوٰۃ ختم نہ کردے۔'' (سنن الدارقطنی : ١ /١١٠، ح : ١٩٥٤، السنن الکبری للبیهقی : ٤ /١٠٧، وسندهٗ صحیحٌ)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا إسناد صحیح .** ''یہ سند صحیح ہے۔'' (السننن الکبری للبیهقی : ١٠٧/٤)

شبہ : ابن ترکمانی حنفی (٦٨٣-٧٥٠ھ) نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح کیسے؟ جبکہ صحیح کے لیے سند کا متصل ہونا شرط ہے، اس کی سند متصل نہیں ہے۔

(الجوهر النقی لابن الترکمانی : ١٠٧/٤)

جواب : سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔(دیکھیں المؤطا للامام مالك : ١٣٤٩، وسندهٗ صحیح ، ١٦٥٣، وسندهٗ صحیحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وأکثر أئمّتنا علی أنّه قد سمع منه .**

''ہمارے اکثر ائمہ اسی موقف پر ہیں کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے۔''

(المستدرك للحاکم : ١ /٢١٥، طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وصحّ سماع سعید من عمر .**

''سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔''

(زوائد مختصر مسند البزار لابن حجر : ۴۱۹/۲)

لہٰذا اعتراض رفع ہوا۔

③ قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **کانت عائشة تلینی أنا وأخا لی یتیمین فی حجرھا ، فکانت تخرج من أموالنا الزّکاة .**

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے اور میرے ایک بھائی کی پروش کرتی تھیں، ہم دونوں یتیم تھے، وہ ہمارے مالوں سے زکوٰۃ نکالتی تھیں۔'' (المؤطا للامام مالك : ۵۹۰، وسندهٗ صحیحٌ)

④ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے: **أنّه کان یزکّی مال الیتیم .** ''آپ یتیم کے مال سے زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔''

(الاموال لابی عبید القاسم بن سلام : ۱۳۰۸، وسندهٗ صحیحٌ)

⑤ ابوالزبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہوئے سنا، جس کے پاس یتیم کا مال ہو: **یعطی زکاته .**

''وہ اس (یتیم کے مال) کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔''

(الاموال لابی عبید القاسم بن سلام : ۱۳۱۰، وسندهٗ صحیحٌ)

⑥، ⑦ مشہور تابعی مجاہد بن جبر اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

أدّ زکاة مال الیتیم . ''یتیم کے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔''

(الاموال لابی عبید القاسم بن سلام : ۱۳۱۲، وسندهٗ صحیحٌ)

⑧ ابو یونس الحسن بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے امام طاؤس بن کیسان تابعی رحمہ اللہ سے مالِ یتیم سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: **زکّه ، فإن لم تفعل فالإثم فی عنقك .** ''زکوٰۃ دو، ورنہ گناہ تمہارے سر ہوگا۔''

(الاموال لابی عبید القاسم بن سلام : ۱۳۱۴، وسندهٗ صحیحٌ)

⑨ امام شعبی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فی مال الیتیم زکاۃ .
''یتیم کے مال میں زکوٰۃ ہوگی۔'' (الاموال لابن زنجویه : ۱٤۳۱، وسندهٗ صحیحٌ)

فائدہ : الاموال لابن زنجویہ (۱٤٤۷) میں ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالِ یتیم میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ قول مجالد بن سعید، جو کہ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

⑩ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے کہ: أنّــه كــان يرى فی مال اليتيم الزّكاة . ''وہ مالِ یتیم میں زکوٰۃ کو واجب سمجھتے تھے۔''
(الاموال لابن زنجويه : ۱٤۳۲، وسندهٗ صحيحٌ)

تــلک عشرة كاملة . یہ سلف کے پورے دس اقوال ہیں، جن میں سے پانچ صحابہ کرام ہیں۔

یاد رہے کہ ائمہ ثلاثہ، یعنی امام احمد بن حنبل، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک بھی یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے، نیز امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔
(سنن الترمذی ، تحت حدیث : ٦٤١)

مانعین کے دلائل اور ان کا جائزہ

جو لوگ مالِ یتیم میں زکوٰۃ کے قائل نہیں، ان کے دلائل کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أحــص مـا فـی مال اليتيم من الزّكاة ، فإذا بلغ و آنست منه رشدا فأخبره ، فـإن شـاء زكّى وإن شاء ترک . ''تو یتیم کے مال کا حساب لگاؤ، جب وہ بالغ ہو جائے تو اسے بتا دو، وہ چاہے تو زکوٰۃ نکالے، چاہے تو رہنے دے۔''
(الاموال لابی عبید : ۱۳۱٥، السنن الكبرى للبيهقی : ٤/ ۱۰۸)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس میں لیث بن ابی سلیم راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''سیئ الحفظ'' ہے۔امام احمد بن حنبل، امام دارقطنی، امام یحییٰ بن مَعین، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام نسائی، امام ابن عدی اور جمہور محدّثین نے اسے حدیث میں ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ عراقی (۷۲۵-۸۰۶) لکھتے ہیں: **ضعّفه الجمهور.**

''جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے۔''

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار: ۱۷۸/۲، تخریج احادیث الاحیاء للحداد: ۱٦٤٨)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **وضعّفه الأكثر.** ''اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔''

(مجمع الزوائد: ۱/ ۹۰، ۹۱، ۲۰ /۱۷۸)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعيف عند الجمهور.**

''جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (البدر المنیر لابن الملقن: ۱۰٤/۲)

بوصیری کہتے ہیں: **ضعّفه الجمهور.** ''اس کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔''

(زوائد ابن ماجه: ٥٤)

حافظ ابنِ حجر نے اس کو ''ضعیف الحفظ'' کہا ہے۔ (تغلیق التعلیق لابن حجر: ۳۳۷/۲)

② اس کی سند ''منقطع'' بھی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: **قال الشّافعيّ في مناظرة جرت بينه وبين من خالفه، وجوابه عن هذا الأثر مع أنّك تزعم أنّ هذا ليس بثابت عن ابن مسعود من وجهين، أحدهما: أنّه منقطع، وأنّ الّذي رواه ليس بحافظ.**

''امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے ایک مخالف کے درمیان ایک مناظرہ ہوا، اس اثر کے بارے میں امام صاحب کا جواب یہ تھا، باوجود اس بات کے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا ابنِ

مسعود رضی اللہ عنہ سے دو وجہ سے ثابت نہیں ہے، ایک تو یہ منقطع ہے، دوسرے اس کو بیان کرنے والا (لیث بن ابی سلیم) حافظ نہیں ہے۔" (السنن الکبری للبیهقی : ۱۰۸/٤، وسندهٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ② : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"مالِ یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں، جب تک اس پر نماز واجب نہیں ہوتی۔"

(الاموال لابن زنجویه : ۱٤۳۵، سنن الدارقطنی : ۲ /۱۱۱، ح : ۱۹٦۲)

تبصرہ : اس کی سند ابنِ لہیعہ کی وجہ سے "ضعیف" ہے، جمہور نے اسے "ضعیف" قرار دیا ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وابن لهیعة ، ضعّفه الجمهور .** "اور ابنِ لہیعہ کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (مجمع الزوائد : ۱۰ /۳۷۵)

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهو ضعیف بالاتفاق لاختلال ضبطه .**

"وہ بالاتفاق ضعیف ہے، کیونکہ اس کا حافظہ خراب تھا۔" (خلاصة الاحکام : ۲ /٦۲۵)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے "ضعیف" کہا ہے۔ (تغلیق التعلیق لابن حجر : ۲۳۹۴)

یہ قول ذکر کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: **ابن لهیعة ، لا یحتجّ به .** "ابن لہیعہ قابل حجت نہیں ہے۔" (سنن الدارقطنی : ۱ /۱۱۱)

الحاصل : کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ مالِ یتیم سے زکوٰۃ کے قائل نہ ہوں۔ مالِ یتیم میں زکوٰۃ واجب ہے، پاگل اور گونگے، بہرے کا بھی یہی حکم ہے۔

شبہ : یتیم پر نماز فرض نہیں تو زکوٰۃ کیسے فرض ہو سکتی ہے؟

ازالہ : امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ (م ٤٦۳ھ) لکھتے ہیں:

وقد أجمعوا أیضا أن فی مال من لم یبلغ ولم تجب علیه صلاة أرش ما یجنیه من الجنایات وقیمة ما یتلفه من المتلفات ، وأجمعوا علی أن الحائض

والذی یجن أحیانا لا یراعی لهم مقدار أیام الحیض والجنون من الحول ، وهذا كله دلیل علی أن الزكاة حق المال لیست كالصلاة التی هی حق البدن فإنها تجب علی من تجب علیه الصلاة وعلی من لا تجب علیه .

''مسلمانوں کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جس پر نماز فرض نہیں ہوئی اس کے مال میں سے اس کے کیے ہوئے جرائم کی دیت اور اس کی تلف کی ہوئی چیزوں کی قیمت نکالنا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کا اجماع ہے کہ حائضہ عورت کے حیض کے دنوں کی مقدار اور وہ شخص جو کبھی کبھی جنون کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے جنون کے دنوں کے مقدار (زکوٰۃ کے لیے گزرنے والے) سال سے خارج نہیں کی جائے گی۔ یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، یہ نماز کی طرح نہیں ہے، جو کہ بدن کا حق ہے، لہٰذا زکوٰۃ اس شخص پر بھی واجب ہوگی، جس پر نماز واجب ہے اور اس شخص پر بھی، جس پر نماز واجب نہیں ہے۔'' (الاستذکار لابن عبد البر : ۱۵۶/۳)

نیز لکھتے ہیں: فهذا من طریق الإتباع ، وأمّا من طریق النظر والقیاس علی ما أجمع علماء المسلمین علیه من زكاة ما تخرجه أرض الیتیم من الزرع والثمار ، وهو ممّا لا یختلف فیه حجازیّ ولا عراقیّ من العلماء .

''یہ (آثارِ صحابہ پر عمل کر کے یتیم کے مال میں زکوٰۃ کو لازم قرار دینا) تو اتباع کا طریقہ ہے، رہا قیاس واجتہاد کا طریقہ تو مسلمان علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ یتیم کی زمین سے جو غلہ نکلتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے (اگرچہ اس پر نماز فرض نہ بھی ہوئی ہو) اور اس میں کسی حجازی یا عراقی عالم کو اختلاف نہیں ہے۔'' (الاستذکار لابن عبد البر : ۱۵۶/۳)

دوسری بات یہ ہے کہ حنفی و دیوبندی حضرات، جو آثارِ صحابہ کے متعلق اس قسم کے شبہات پیدا کرتے ہیں، ان کے نزدیک بھی یتیم کی زمین جو غلہ اگاتی ہے، اس میں زکوٰۃ ہے۔ کیا ان کو اس وقت یہ خیال نہیں رہتا کہ اس پر تو نماز فرض نہیں ہے؟

ہدی (منیٰ میں قربانی) کے لیے اونٹ کو داہنی جانب جو زخم لگایا جاتا تھا، اسے ''اشعار'' کہتے ہیں۔ یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے، جیسا کہ:

① سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

صلّى رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم بذى الحليفة ، ثمّ دعا بناقته ، فأشعرها فى صفحة سنامها الأيمن ، وسلت الدّم ، وقلّدها نعلين ، ثمّ ركب راحلته ، فلمّا استوت به على البيداء أهلّ بالحجّ .

''رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ مقام پر ادا کی، پھر اپنی اونٹنی منگوائی، اس کی کوہان کی دائیں جانب اشعار کیا اور خون کو آس پاس لگادیا اور اس کے گلے میں دو جوتے لٹکا دیئے، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے۔ جب وہ سواری آپ ﷺ کو لے کر بیداء پر چڑھ گئی تو آپ ﷺ نے حج کا تلبیہ پڑھا۔'' (صحیح مسلم : ۱۲۴۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم وغيرهم ، يرون الإشعار ، وهو قول الثّوريّ والشّافعيّ وأحمد وإسحاق .** ''اسی پر نبیٔ اکرم ﷺ کے صحابہ اور دوسرے اہل علم کا عمل ہے، وہ اشعار کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔''

(سنن الترمذی ، تحت حدیث : ۹۰۶)

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: **فتلت قلائد بُدن**

رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بيدی ، ثمّ أشعرها وقلّدها .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے اونٹوں کے قلادے اپنے ہاتھ سے بٹے ، پھر آپ ﷺ نے ان کو اشعار کیا اور قلادے پہنائے۔''

(صحيح البخاری : ١٦٩٦، صحيح مسلم : ١٣٢١ /٣٦٢)

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ اشعار، جو کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے، کو مثلہ کہتے ہیں، یعنی امام صاحب اُسے جائز نہیں سمجھتے۔ بعض الناس نے امام صاحب کے قول کی یہ تاویل کی ہے کہ جب لوگوں نے اشعار میں مبالغہ کیا تو اس وقت امام صاحب نے مثلہ کہا ہے۔

لیکن یہ تاویل سراسر باطل ہے، کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اس مسئلہ میں امام صاحب کا خوب ردّ کیا ہے۔ ائمہ دین، محدثین کرام اور علمائے عظام رحمہم اللہ کے اقوال ملاحظہ ہوں:

① حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٣١۔٦٧٦ھ) لکھتے ہیں: وقال أبو حنيفة : الإشعار بدعة ، لأنّه مثلة ، وهذا يخالف الأحاديث الصّحيحة المشهورة فی الإشعار ، وأمّا قوله : إنّه مثلة ، فليس كذلک ، بل هذا كالفصد والحجامة والكیّ والوسم . ''امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اشعار بدعت ہے، کیونکہ یہ مثلہ ہے۔ ان کا یہ قول اشعار کے بارے میں بہت سی صحیح اور مشہور احادیث کے خلاف ہے۔ رہا ان کا اشعار کو مثلہ کہنا تو یہ درست نہیں، کیونکہ اشعار ایسے ہی ہے، جیسے فصد، سنگی، داغ دینا اور نشان لگانا ہوتا ہے۔''(شرح صحيح مسلم للنووی : ٤٠٧/١)

② امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ (م ١٩٧ھ) فرماتے ہیں: لا تنظروا إلى قول أهل الرّأی فی هذا ، فإنّ الإشعار سنّة ، وقولهم بدعة .

''تم اس بارے میں اہل الرائے (ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب) کے قول کو نہ دیکھو۔ اشعار سنت ہے، جبکہ (اس کو بدعت کہنے پر مبنی) ان کا قول خود بدعت ہے۔''

(سنن الترمذی ، تحت حدیث : ۹۰۶، وسندہٗ صحیحٌ)

ابوالسائب سلم بن جنادہ کہتے ہیں: **کنا عند وکیع ، فقال لرجل عنده ممن ینظر فی الرأی : أشعر رسول الله صلی الله علیه و سلم ، ویقول أبو حنیفة : هو مثلة ، قال الرجل : فإنه قد روی عن إبراهیم النخعی أنه قال الإشعار مثلة ، قال فرأیت وکیعا غضب غضبا شدیدا ، وقال : أقول لک قال رسول الله صلی الله علیه و سلم وتقول : قال إبراهیم ، ما أحقک بأن تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک هذا .** ''ہم امام وکیع رحمہ اللہ کے پاس تھے۔ انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی، جو کہ رائے میں دلچسپی رکھتا تھا، سے فرمایا، اللہ کے رسول ﷺ نے اشعار کیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ مثلہ ہے! آدمی کہنے لگا، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اشعار کو مثلہ کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام وکیع رحمہ اللہ سخت غصہ میں آ گئے اور فرمانے لگے، میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم نخعی اس طرح کہتے ہیں۔ میں تجھے اس قابل سمجھتا ہوں کہ تجھے قید کر لیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے، جب تک تو اپنے اس قول سے باز نہ آ جائے۔''

(سنن الترمذی ، تحت حدیث : ۹۰۶، وسندہٗ صحیحٌ)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ اہل سنت کے بہت بڑے امام وکیع رحمہ اللہ کس قدر اتباعِ سنت کے جذبہ سے سرشار ہیں؟ حدیثِ رسول کے خلاف کچھ سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ حدیث کے خلاف رائے پیش کرنے والوں پر شدید غصہ کا اظہار فرما رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا ہی جذبہ صادقہ نصیب فرمائے۔ آمین!

③ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) حدیثِ ابنِ عباس پر یوں باب قائم کرتے ہیں: **بـاب إشعـار البُـدن فی شقّ السّنام الأیمن ، وسلت الدّم عنها ، ضـدّ قول من زعم أنّ إشعار البُدن مثلة ، فسمّی سنّة النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم**

مثلة بجهله . ''قربانی کے اونٹوں کی کوہان کی دائیں جانب اشعار کرنے اور خون کو لتھڑنے کا بیان، اس شخص کے ردّ میں جو یہ دعوی کرتا ہے کہ اونٹوں کو اشعار کرنا مثلہ ہے، اس نے اپنی جہالت کی وجہ سے نبیٔ اکرم ﷺ کی سنت کا نام مثلہ رکھ دیا ہے۔''

(صحیح ابن خزیمة : ٤/١٥٣، ح : ٢٥٧٥)

④ امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: وهـذا الـحكم لا دليل عليه إلّا التّوهّم والظّنّ ، ولا تترك السّنن بالظّنون .

''(امام ابوحنیفہ کے) اس فیصلے پر کوئی دلیل نہیں، سوائے توہم پرستی اور ظن وتخمین کے، جبکہ سنتوں کو ظن وتخمین کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا۔'' (الاستذكار لابن عبد البر : ٤ /٢٦٤)

⑤ علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) اس بارے میں لکھتے ہیں:

فقال أبو حنيفة : أكره الإشعار ، وهو مثلة ، قال عليّ : هذه طامّة من طوام العـالـم أن يـكـون مثـلة شـيء فعله النبى صلى الله عليه وسلم ، أف لكل عقل يتعقب حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم ويلزمه أن تكون الحجامة ، وفتح الـعـرق مثـلـه ، فيـمـنع من ذلك ، وأن يكون القصاص من قطع الأنف ، وقلع الأسـنـان ، وجـد ع الاذنيـن مثـلة ، وأن يـكون قطع السارق والمحارب مثلة ، والـرجـم للزانى المحصن مثلة ، والصلب للمحارب مثلة ، إنما المثلة فعل من بلغ نفسه مبلغ انتقاد فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فهذا هو الذى مثل بـنفسه ، والإشعار كان فى حجة الودا ع والنهى عن المثلة كان قبل قيام ذلك بـأعـوام ، فـصـح أنـه ليـس مثلة ، وهذه قولة لا يعلم لابى حنيفة فيها متقدم من السلف ، ولا موافق من فقهاء أهل عصره إلا من ابتلاه الله بتقليده ، ونعوذ بالله من البلاء . ''امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ میں اشعار کو مکروہ سمجھتا ہوں، یہ تو مثلہ ہے، لیکن یہ کسی عالم کی ہفوات میں سے ہے کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، اسے وہ مثلہ

قرار دے۔ ہر اس عقل پر افسوس ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر گرفت کرتی ہے۔ ایسی عقل پر یہ لازم آتا ہے کہ اس کے نزدیک سنگی لگوانا، فصد کھولنا وغیرہ بھی مثلہ ہو اور وہ اس سے بھی رک جائے، نیز اس کے نزدیک ناک کاٹنے، دانت اکھیڑنے، کان کاٹنے وغیرہ کا قصاص لینا بھی مثلہ ہو اور چور اور فسادی آدمی کا ہاتھ کاٹنا بھی مثلہ ہو، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا بھی مثلہ ہو، زمین میں فساد کرنے والے کو سولی دینا بھی مثلہ ہو۔ دراصل مثلہ تو اس نے کیا ہے، جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے فعلِ مبارک پر تنقید تک پہنچا دیا ہے، یہ وہ شخص ہے، جس نے اپنے نفس کا مثلہ کیا ہے۔ حالانکہ اشعار حجۃ الوداع میں کیا گیا تھا اور مثلہ سے ممانعت اس سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی۔ ثابت ہوا کہ یہ مثلہ نہیں۔

یہ امام ابوحنیفہ کا ایسا قول ہے، جس میں ان کا کوئی سلف نہیں، نہ ہی ان کے ہم زمانہ فقہائے کرام میں سے کسی نے ان کی موافقت کی ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی تقلید کی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ہم فتنہ (تقلید) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔''

(المحلی لابن حزم : ۱۱۱/۷۔۱۱۲)

❀❀❀❀❀❀❀

اعتذار

شمارہ نمبر ⑮ صفحہ نمبر ۱۴ میں لکھا گیا تھا: ''اس کی سند زہری کی تدلیس کی وجہ سے مخدوش ہے۔۔۔ جہاں زہری رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کی ہے، وہاں یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔''

لیکن صحیح بخاری میں ہی ایک دوسری حدیث (٣٦٦٧) میں وہی واقعہ موجود ہے، اس میں ابنِ شہاب زہری موجود نہیں ہیں۔ قارئین کرام نوٹ فرمالیں۔

✳✳✳✳✳✳✳

اکثر محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک ''مرسل'' حدیث حجت نہیں۔ اس کا وہی حکم ہے، جو ''ضعیف'' حدیث کا ہوتا ہے۔ اس موقف پر دلائل ملاحظہ فرمائیں:

① امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حماد بن زید رحمہ اللہ سے کہا، اے ابو اسماعیل! کیا اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث کا ذکر قرآنِ مجید میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

بلى ! ألم تسمع إلى قوله : ﴿ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (التوبة : ۱۲۲) ، فهذا في كلّ رحل في طلب العلم والفقه ، ويرجع به إلى من وراءه يعلّمهم إيّاه .

''کیوں نہیں؟ کیا آپ نے یہ فرمانِ باری تعالیٰ نہیں سنا کہ: ﴿ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (التوبة : ۱۲۲) (تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں، جب وہ ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ ڈریں)، یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے، جو طلبِ علم و فقہ میں سفر کرے اور اسے حاصل کر کے اپنے پیچھے والے لوگوں کو سکھائے۔'' (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۲٦، شرف اصحاب الحديث للخطيب : ۱۱۵، الرحلة فى طلب الحديث للخطيب : ۱۰، وسندهٗ صحيحٌ)

اس قول کے تحت امام حاکم رحمہ اللہ (م ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں: **ففي هذا النّص دليل على أنّ العلم المحتجّ به هو المسموع غير المرسل .**

''اس نص میں اس بات پر دلیل ہے کہ قابل حجت علم وہی ہے جو بلا واسطہ سنا گیا ہو، نہ کہ جو مرسل ہو۔'' (معرفة علوم الحديث للحاكم : ۲۷)

نوٹ : ''مرسل'' وہ روایت ہوتی ہے، جو تابعی ڈائریکٹ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرے۔

② عظیم تابعی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: **جاء بشير العدوی إلى ابن عبّاس فجعل يحدّث ويقول قال رسول اللّٰه -صلّى اللّٰه عليه وسلّم- قال رسول اللّٰه - صلّى اللّٰه عليه وسلّم - فجعل ابن عبّاس لا يأذن لحديثه ولا ينظر إليه فقال يا ابن عبّاس ! ما لی لا أراک تسمع لحديثی ، أحدثک عن رسول اللّٰه - صلّى اللّٰه عليه وسلّم - ولا تسمع ، فقال ابن عبّاس إنّا كنّا مرّة إذا سمعنا رجلا يقول قال رسول اللّٰه - صلّى اللّٰه عليه وسلّم - ابتدرته أبصارنا وأصغينا إليه بآذاننا ، فلمّا ركب النّاس الصّعب والذّلول لم نأخذ من النّاس إلّا ما نعرف .** ''بشیر بن کعب عدوی رحمہ اللہ، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، لیکن سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ان کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے اور نہ ان کی طرف دیکھ ہی رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی، اے ابنِ عباس! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ میری حدیث کو نہیں سن رہے، حالانکہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے، پہلے ہم جب کسی آدمی کو یہ کہتے سنتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری آنکھیں جلدی سے اس کی طرف دیکھتی تھیں اور ہم اپنے کان اس کی طرف لگا دیتے تھے، لیکن جب سے لوگوں نے ضعیف اور مجروح ہر قسم کی حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں تو اس وقت سے ہم لوگوں سے صرف وہی حدیث سنتے ہیں، جس کا ہمیں پہلے سے علم ہوتا ہے۔''

(مقدمة صحيح مسلم : ۱ /۱۰، ح : ۲۲)

یہ روایت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''مرسل'' حدیث کو حجت نہیں

سمجھتے تھے۔

③ الامام، الفقیہ، ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید بن عبدالرحمٰن بن نوح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لو أن المرسل من الأخبار والمتصل سيان لما تكلف العلماء طلب الحديث بالسماع ولما ارتحلوا فى جمعه مسموعا ولا التمسوا صحته ولكان أهل كل عصر إذا سمعوا حديثا من عالمهم وهو يقال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم كذا وكذا لم يسألوه عن إسناده وقد روينا عن جماعة من التابعين وأتباع التابعين كانوا يسألون عن السنة ثم يقولون للتابعين هل من أثر وإذا ذكر الأثر قالوا هل من قدوة وإنما يعنون بذلک الإسناد المتصل ولم يقتصروا على قول الزهرى وإبراهيم قال رسول الله صلى الله عليه و سلم فكيف يقتصروا من مالک والنعمان إذا قالا قال رسول الله صلى الله عليه و سلم . ''اگر مرسل اور متصل احادیث ایک جیسی (حجت) ہوتیں تو علمائے کرام طلبِ حدیث میں سماع کرنے کی زحمت نہ اٹھاتے، نہ ہی خود سنی ہوئی احادیث کو جمع کرنے کے لیے وہ سفر کرتے، نہ ہی وہ احادیث کی صحت کے متلاشی ہوتے، نیز ہر دور کے لوگ جب اپنے عالم کو یہ کہتے سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، تو اس سے سند کے بارے میں سوال نہ کرتے، حالانکہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت سے ہم نے روایت کیا ہے کہ وہ سنتِ نبوی کے بارے میں پوچھتے تھے، پھر تابعین سے کہتے کہ کیا کوئی اثر ہے؟ کیا کوئی قدوہ ہے؟ اس سے مراد وہ متصل سند لیتے تھے۔ وہ (محمد بن مسلم) زہری رحمہ اللہ اور ابراہیم (نخعی رحمہ اللہ) کے اس قول پر اکتفا نہیں کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے، پھر امام مالک اور امام ابوحنیفہ اگر کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے تو ان کی بات پر کیسے اکتفا کیا جا سکتا ہے؟'' (الكفاية فى علم الرواية للخطيب : ١٢٤٥، وسندهٗ صحيحٌ)

④ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب رحمہ اللہ ''مرسل'' کے حجت نہ ہونے کے بارے میں

لکھتے ہیں: ولا يـقبل خبر من جهلت عينه وصفته لأنه حينئذ لا سبيل الـى معرفة عدالته هذا قول كل من شرط العدالة ولم يقبل المرسل فأما من قال ان الـعـدالة هـي ظـاهـر الإسلام فإنه يقبل خبر من جهلت عينه لأنه لا يكون الا مسـلـمـا ويـجب عليهم ان لا يقبلوا خبره حتى يعلموا مع إسلامه انه بريء من الـفسـق المسقط للعدالة ومع الجهل بعينه لا يؤمن ان يكون ممن أصاب فسقا إذا ذكـر عـرفوه به . ''جس شخص کی ذات اور صفت مجہول ہو، اس کی حدیث قبول نہیں ہوتی ، کیونکہ ایسی صورتِ حال میں اس شخص کی عدالت پہنچاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا۔ یہ ان تمام لوگوں کا موقف ہے، جو عدالت کو (صحتِ حدیث میں) شرط سمجھتے ہیں اور مرسل کو قبول نہیں کرتے۔ جو لوگ ظاہری اسلام کو عدالت سمجھتے ہیں، وہ اس کی حدیث بھی قبول کر لیتے ہیں، جس کی ذات مجہول ہو، کیونکہ وہ مسلمان ہی ہوتا ہے، لیکن ان پر ضروری ہے کہ وہ اس کی حدیث کو اس وقت تک قبول نہ کریں، جب تک اس کے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ایسے فسق سے بری ہے، جو عدالت کو ختم کر دیتا ہے، جبکہ ذات مجہول ہونے کے ساتھ اس بات سے بے خوف نہیں ہوا جا سکتا کہ وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو فسق کے مرتکب ہوں۔ جب وہ اس (مجہول) کا ذکر کریں تو محدثین اس کو پہچان لیں۔''

(الکفایة للخطیب: ۱۱۸۰، وسندہٗ صحیحٌ)

⑤ امام مسلم رحمہ اللہ (۲۰۴۔۲۶۱ھ) ''مرسل'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

والمرسل في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجّة .

''ہمارے اور محدثین کے ہاں مرسل حجت نہیں ہے۔''

(مقدمة صحيح مسلم: ۱/ ۲۲، ص ۲۰ طبع دار السلام)

امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں: لا نـحتـجّ بالمراسيل ، ولا بالأخبار الواهية . ''ہم مرسل اور ضعیف روایات سے حجت نہیں لیتے۔''

(كتاب التوحيد لابن خزيمة : ١ /١٣٧)

⑦ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۲۳۸۔۳۲۱ھ) لکھتے ہیں: **وهم لا يحتجّون بالمراسيل .** ''وہ (محدثین) مرسل روایات سے دلیل نہیں لیتے۔''

(نصب الراية للزيلعى الحنفى : ٥٨/١)

⑧ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **مرسلات سعيد بن المسيّب أصحّ المرسلات ، ومرسلات إبراهيم النّخعىّ لا بأس بها ، وليس فى المرسلات أضعف شىء من مرسلات الحسن وعطاء ابن أبى رباح ، فإنّهما يأخذان عن كلّ أحد .** ''سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی مرسل روایات سب مرسلات سے زیادہ صحیح ہیں، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی مرسل روایات میں کوئی حرج نہیں، مرسلات میں حسن بصری رحمہ اللہ اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی مرسلات سے بڑھ کر ضعیف اور کوئی نہیں، کیونکہ وہ دونوں ہر ایک سے روایات لیتے تھے۔''

(المعرفة والتاريخ للفسوى : ٢٣٩/٣، الكفاية للخطيب : ٣٨٦، وسندهٗ صحيحٌ)

⑨ یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی کہتے ہیں کہ مجھے امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: **نقول : الأصل قرآن أو سنّة ، فإن لم يكن فقياس عليهما ، وإذا اتّصل الحديث عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وصحّ الإسناد به ، فهو سنّة ، وليس المنقطع بشىء ، ما عدا منقطع سعيد بن المسيّب .**

''ہم کہتے ہیں کہ اصل قرآن وسنت ہیں، اگر کوئی نص نہ ہو تو ان دونوں پر قیاس ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث باسندِ متصل ہو اور سند صحیح بھی ہو تو وہ سنت ہے۔ منقطع روایات کچھ بھی نہیں، سوائے سعید بن مسیّب کی منقطع روایات کے۔''

(كتاب المراسيل لابن ابى حاتم : ٦ ، وسندهٗ صحيحٌ)

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی منقطع روایات کو صحیح قرار دینا امام شافعی رحمہ اللہ کی خطا ہے، کیونکہ

ان کے خیال میں سعید بن مسیّب رحمہ اللہ صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے، لہذا محذوف راوی بھی ثقہ ہی ہوگا، لیکن عین ممکن ہے کہ جسے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ ثقہ سمجھتے ہوں، دوسرے ائمہ کے نزدیک وہ ''ضعیف'' ہو، لہذا دوسرے راویوں کی مراسیل کی طرح امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی مراسیل بھی نا قابل حجت ہوتی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولسنا ولا إيّاك نثبت المرسل .**
''نہ ہم مرسل کو صحیح سمجھتے ہیں، نہ آپ۔'' (اختلاف الحدیث للشافعی : ٥٦٠)

⑩ امام ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ (م ٣٢٧ھ) فرماتے ہیں:

سمعت أبي وأبا زرعة يقولان : لا يحتجّ بالمراسيل ، ولا تقوم الحجّة إلّا بالأسانيد الصّحاح المتّصلة ، وكذا أقول أنا . ''میں نے اپنے والد (امام ابوحاتم رحمہ اللہ) اور امام ابوزرعہ رحمہ اللہ (م ٢٦٤ھ) سے سنا، وہ دونوں فرما رہے تھے کہ مرسل روایات سے حجت نہیں لی جائے گی، حجت صرف صحیح اور متصل سندوں کے ساتھ قائم ہوسکتی ہے۔ میں بھی ایسا ہی کہتا ہوں۔'' (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم : ٧)

⑪ امام دارقطنی رحمہ اللہ (م ٣٨٥ھ) فرماتے ہیں: **والحديث مرسل ، لا تقوم به الحجّة .** ''یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوسکتی۔'' (سنن الدارقطنی : ١/ ٣٩٨)

⑫ امام ابن المنذر رحمہ اللہ (م ٣١٠ھ) فرماتے ہیں: **والمرسل من الحديث ، لا تقوم به الحجّة .** ''مرسل حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی۔''
(الاوسط لابن المنذر : ١/ ١٠٢٢٨/ ٢٧١)

⑬ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ٤٦٣ھ) لکھتے ہیں: **وحجّتهم في ردّ المراسيل ما أجمع عليه العلماء من الحاجة إلى عدالة المخبر عنه ، وأنّه لا بدّ من علم ذلك .** ''مرسل روایات کو رد کرنے پر ان کی دلیل حدیث بیان

کرنے والے کی عدالت کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے، جس پر علمائے کرام کا اجماع ہے۔ عدالت کا علم ہونا (صحتِ حدیث کے لیے) ضروری ہے۔''(التمهيد لابن عبد البر : ۱/۵۔۶)

⑭ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ) ''مرسل'' حدیث کے ''ضعیف'' ہونے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **والمرسل من الخبر وما لم يرو سيان في الحكم عندنا لأنا لو قبلنا إرسال تابعي وإن كان ثقة فاضلا على حسن الظن لزمنا قبول مثله عن أتباع التابعين ومتى قبلنا ذلك لزمنا قبول مثل ذلك عن تباع التبع ومتى قبلنا ذلك لزمنا أن نقبل من كل إنسان إذا قال : قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ، وفي هذا نقض الشريعة .**

''مرسل روایت ہمارے نزدیک نہ ہونے کے برابر ہے، کیونکہ اگر ہم ثقہ فاضل تابعی کے ارسال کو حسنِ ظن کرتے ہوئے قبول کرلیں تو ہمیں تبع تابعین کا ارسال بھی اسی طرح قبول کرنا پڑے گا اور جب ہم یہ بھی کرلیں گے تو تبع تابعین کے بعد والوں کا بھی ارسال قبول کرنا پڑے گا، جب یہ بھی کرلیں گے تو پھر ان کے بعد والوں کا ارسال بھی قبول کرنا پڑے گا، جب ایسا بھی کرلیں گے تو پھر ہمیں ہر انسان کا یہ کہنا قبول کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حالانکہ اس کام میں شریعت کی مخالفت ہے۔۔۔''(صحيح ابن حبان ، تحت حديث : ۲۱۱۰)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کے اس قول کا ردّ کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی (۷۶۲۔۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: **وأما قوله : والمرسل عندنا وما لم يُرو سيان ، إلى آخره ، فغير مُسلّم أيضا لأنّ إرسال العدل من الأئمة تعديل له ، إذ لو كان غير عدل لوجب عليه التنبيه على جرُحه ، والإخبار عن حاله ، فالسكوت بعد الرواية عنه يكون تلبيسا أو تحميلاً للناس على العمل بما ليس بحجة ، والعدل لا يتّهم بمثل ذلك ، فيكون إرساله توثيقا له ...** ''رہا امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ہمارے نزدیک مرسل روایت نہ ہونے کے برابر ہے تو یہ ایسی بات ہے، جسے تسلیم نہیں کیا جائے گا

، کیونکہ کسی عادل امام کا ارسال کرنا محذوف راوی کی توثیق شمار ہوگا ، کیونکہ اگر وہ محذوف راوی عادل نہ ہوتو ارسال کرنے والے امام پر واجب تھا کہ وہ اس پر تنبیہ کرتا اور اس کے حالات پر آگاہی دیتا۔ روایت بیان کرنے کے بعد اس سے خاموشی اختیار کرنا تو ایک قسم کی تلبیس ہے اور لوگوں کو ایک ایسے راوی کی حدیث پر آمادہ کرنے کی کوشش ہے ، جو کہ قابل حجت نہیں اور کسی عادل امام کے بارے میں ایسا گمان نہیں رکھا جا سکتا ، لہٰذا عادل راوی کا ارسال محذوف راوی کی توثیق شمار ہوگی ۔۔۔'' (شرح ابی داؤد للعینی الحنفی : ۱۲۲/۳)

لیکن علامہ عینی حنفی کی یہ بات درست نہیں ، کیونکہ بہت سے ثقہ و عادل اماموں کا غیر ثقہ راویوں سے روایت لینا ثابت ہے اور بسا اوقات وہ عادل امام اس ''ضعیف'' راوی کو ثقہ سمجھتے تھے ، جبکہ دوسرے محدثین کے ہاں وہ ''ضعیف'' تھے ، جیسا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ بہت بڑے ثقہ و عادل امام ہیں ، لیکن انہوں نے بہت بڑے ''ضعیف و رافضی'' راوی جابر جعفی سے روایات لی ہیں اور باقی تمام محدثین سے ہٹ کر امام شعبہ رحمہ اللہ جابر جعفی کو ثقہ بھی سمجھتے تھے ، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وثّقه شعبة وشذّ ، وتركه الحفّاظ ...

''امام شعبہ رحمہ اللہ نے جابر جعفی کو ثقہ کہا ہے اور اس بات میں انہوں نے باقی محدثین کی مخالفت کی ہے ، جبکہ دوسرے محدثین نے اسے متروک قرار دیا ہے۔''

(الکاشف للذہبی : ت ۷۳۹)

اب دیکھ لیں کہ امام شعبہ رحمہ اللہ جابر جعفی کو ثقہ سمجھ کر روایت کرتے ہیں ، اسی طرح ممکن ہے کہ جس راوی کو ارسال کرنے والا امام ثقہ سمجھ رہا ہے ، وہ فی الحقیقت سخت ''ضعیف'' ہو اور اس طرح ''مرسل'' کو حجت سمجھنا ایک ''ضعیف و متروک'' راوی کی جھوٹی روایت کو حجت سمجھنے کے مترادف ہو جائے گا ، جو کہ بہت بڑی خرابی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

ومن زعم أنّ المرسل أقوى من المتّصل ، فهو كمن زعم أنّ الليل أضوء

من النهار والأعمى أبصر من البصير ، فإنّ المرسل مغيب المعنى ، لا يدرى عمّن أخذه من أرسله ، ومن ادّعى أنّه لا يأخذه إلّا عن ثقة ، فقد ادّعى ما هو بخلافه عند كافّة أهل العلم بالحديث ، فإنّا نجدهم يروون عن الثقات ويروون عن غيرهم ، وربّما يسكتون عن ذكر من سمعوه منه حتى يسألوا ، فإذا سئلوا ربّما ذكروا من يرغب عنه فى الرواية أو فى الديانة أو فيهما ، وأهل العلم مختلفون فيما يجرّح به الراوى ، فلا بدّ من تسميته ليوقف على حاله فتستبين عدالته أو جرحه عند من بلغه خبره من أهل العلم .

''اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مرسل روایت متصل سے بھی قوی ہوتی ہے، وہ اس بے وقوف کی طرح ہے، جو کہے کہ رات، دن سے زیادہ روشن ہے اور نابینا، بینا سے زیادہ دیکھنے والا ہے، کیونکہ مرسل کا معاملہ غیبی ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ علم نہیں ہوتا کہ جس نے ارسال کیا ہے، اس نے کس سے اسے اخذ کیا ہے؟ اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ارسال کرنے والا صرف ثقہ سے ہی روایت لیتا تھا تو اس نے ایسا دعویٰ کیا ہے، جو سارے محدثین کے خلاف ہے، کیونکہ ہم محدثین کو دیکھتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے بھی روایات لیتے ہیں اور غیر ثقہ راویوں سے بھی بیان کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ اس وقت تک اس شخص کا نام نہیں لیتے، جس سے انہوں نے سنا ہوتا ہے، جب تک ان سے پوچھ نہ لیا جائے، پھر بسا اوقات وہ ایسے شخص کا نام لیتے ہیں، جو روایت و دیانت میں سے کسی ایک چیز میں یا دونوں چیزوں میں ناقابل التفات ہوتا ہے۔ نیز اہل علم راوی پر جرح کرنے کے اسباب میں مختلف ہیں، لہٰذا محذوف راوی کا نام بیان کیا جانا ضروری ہے تاکہ اس کے حالات پر واقفیت حاصل کی جا سکے اور یوں اس کی عدالت یا جرح ان اہل علم پر واضح ہو جائے، جن کے پاس اس کی حدیث پہنچے۔''

(کتاب القراءۃ خلف الامام للامام البیهقی : ص ١٥٤)

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے کی ہمت عطا فرمائے! آمین!

⑮ امام ترمذی رحمہ اللہ (م۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

ومن ضعف المرسل فإنه ضعف من قبل أن هؤلاء الأئمة حدثوا عن الثقات وغير الثقات فإذا روى أحدهم حديثا وأرسله لعله أخذه عن غير ثقة .

''جن محدثین نے مرسل کو ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے اس وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے کہ ان ائمہ کرام نے ثقہ راویوں سے بھی احادیث بیان کی ہیں اور غیر ثقہ راویوں سے بھی۔ جب کوئی مرسل حدیث بیان کرتا ہے تو (یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ) شاید اس نے غیر ثقہ سے لی ہو۔''

(العلل للترمذی: ۸۹۷)

⑯ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (م۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

والذى نختاره من هذه الجملة سقوط فرض العمل بالمراسيل وان المرسل غير مقبول والذى يدل على ذلک ان إرسال الحديث يؤدى الى الجهل بعين راويه ويستحيل العلم بعدالته مع الجهل بعينه وقد بينا من قبل انه لا يجوز قبول الخبر الا ممن عرفت عدالته فوجب لذلک كونه غير مقبول وأيضا فان العدل لو سئل عمن أرسل عنه فلم يعد له لم يجب العمل بخبره إذا لم يكن معروف العدالة من جهة غيره وكذلک حاله إذا ابتدأ الإمساک عن ذكره وتعديله لأنه مع الإمساک عن ذكره غير معدل له فوجب ان لا يقبل الخبر عنه .

''خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک مرسل حدیث کے ساتھ عمل واجب نہیں ہوتا، نیز مرسل غیر مقبول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کا ارسال اس کے راوی کی ذات کو مجہول بنا دیتا ہے، جبکہ اس کی جہالت کے ہوتے ہوئے اس کی عدالت ثابت ہونا محال ہے اور ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حدیث صرف اس شخص کی قبول کی جائے گی، جس کی عدالت معلوم ہو، اس طرح غیر مقبول چیز لازم ہو جائے گی، اسی طرح اگر ارسال کرنے والے سے پوچھا جائے کہ اس نے کس سے ارسال کیا ہے؟ وہ اس کی عدالت بیان نہ کرے تو اس کی حدیث پر عمل واجب

نہیں ہوگا، جب وہ کسی اور طریقے سے معروف ثابت نہ ہو جائے، اسی طرح وہ صورتِ حال ہے، جب ارسال کرنے والا اس راوی کا ذکر کر نے اور اس کی تعدیل سے رک جائے، کیونکہ اس کو ذکر نہ کرنا اس کی عدالت کو مسلتزم نہیں، لہٰذا اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا۔''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ : ۳۸۸)

⑯ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ''مرسل'' کو حدیث کی مردود و ضعیف اقسام میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وإنما ذكر فی قسم المردود للجهل بحال المحذوف؛ لأنه يحتمل أن يكون صحابيا، ويحتمل أن يكون تابعيا ، وعلى الثانی يحتمل أن يكون ضعيفا، ويحتمل أن يكون ثقة، وعلى الثانی يحتمل أن يكون حمل عن صحابی، ويحتمل أن يكون حمل عن تابعی آخر، وعلى الثانی فيعود الاحتمال السابق، ويتعدد ، أما بالتجويز العقلی فإلى ما لا نهاية له، وأما بالاستقراء فإلى ستة أو سبعة، وهو أكثر ما وجد من رواية بعض التابعين عن بعض .** ''بلاشبہ مرسل کو مردود کی قسم میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ محذوف راوی کی حالت معلوم نہیں ہوتی، اس وقت احتمال ہوتا ہے کہ وہ صحابی ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ وہ تابعی ہو، تابعی ہونے کی صورت میں اس کے ثقہ ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے اور ضعیف ہونے کا بھی، نیز یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ اس محذوف تابعی نے یہ حدیث کسی صحابی سے لی ہو یا کسی اور تابعی سے، اگر کسی تابعی سے لیا ہو تو پھر وہی دوسرا (تابعی کے ضعیف ہونے کا) احتمال دوبارہ آجاتا ہے اور یہ احتمال کئی بار ہوتا ہے، عقلی اعتبار سے یہ سلسلہ لامتناہی حد تک چلا جاتا ہے، لیکن تتبع کے اعتبار سے چھ سے سات تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔ کیونکہ تابعین کی تابعین سے روایت کا یہ سلسلہ چھ یا سات تک ہی چلتا ہے۔''(نزهة النظر : ۷۹)

⑰ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ (م ۶۴۳ھ) ''مرسل'' کے عدمِ حجت اور ضعف کو یوں بیان کرتے ہیں: **وما ذكرنا من سقوط الاحتجاج بالمرسل ، والحكم**

بـضـعـفـه ، هـو الّـذى استـقـرّ عليه آراء جماعة حفاظ الحديث ، ونقّاد الأثر ، وتـداولـوه فـي تـصـانيفهم . ''ہم نے جو یہ کہا ہے کہ مرسل سے حجت نہیں لی جاسکتی اور اس پر ضعف کا حکم لگے گا ، یہ قول وہ ہے ، جس پر حفاظِ حدیث اور نقادِ آثار کی ایک جماعت کا عمل رہا ہے اور انہوں نے اپنی تصانیف میں اسے جابجا ذکر کیا ہے۔''

(مقدمة ابن الصلاح :ص ٣١)

الحاصل : ''مرسل'' حدیث جمہور نقاد محدثین کے نزدیک نا قابل حجت اور ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

کھانا کھانے کی دُعا

عبدالرحمٰن بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کو اس صحابی نے بیان کیا، جس نے نبیٔ اکرم ﷺ کی آٹھ سال خدمت کی تھی:

أنّـه كـان يسمع النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا قرّب إليه طعامه يقول : ((بِسْـمِ الـلّٰـهِ)) ، فـإذا فـرغ من طعامه قال : ((أَللّٰهُمَّ أَطْعَمْتَ وَسَقَيْتَ ، وَأَغْنَيْتَ وَأَقْنَيْتَ ، وَهَدَيْتَ وَأَحْيَيْتَ ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا أعْطَيْتَ))

''نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف جب ان کا کھانا قریب کیا جاتا تو آپ یہ دُعا پڑھتے : بِسْـمِ اللّٰهِ ، جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے : ((أَلـلّٰهُـمَّ أَطْـعَمْتَ وَسَقَيْتَ ، وَأَغْـنَيْـتَ وَأَقْـنَيْتَ ، وَهَدَيْتَ وَأَحْيَيْتَ ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا أعْطَيْتَ)) (اے اللہ! تو نے کھلایا اور تو نے ہی پلایا ہے، تو نے غنی کیا ہے اور تو نے ہی راضی کیا ہے، تو نے ہی ہدایت دی ہے اور تو نے ہی زندگی دی ہے، جو تو نے دیا ہے، اس پر ساری تعریفیں تیرے لیے ہی ہیں)۔'' (عمل اليوم والليلة لابن السني : ح ٤٦٤، وسندهٗ صحيحٌ)

درایتی اعتراضات

اعتراض نمبر ① : ''درایت کے لحاظ سے دیکھیے تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے کہ:

(الف) آیتِ شریفہ میں تجارةً أو لهوًا ہے۔پس اگر یہ سمجھا جائے کہ اس میں ذکر مسلمانوں کا ہے، جو جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل گئے تھے تو ماننا پڑے گا کہ یہ حادثہ کم از کم دو بار پیش آیا تھا۔ایک بار خطبہ کے دوران مسجد سے باہر غلہ فروش آ گئے تھے اور ایک بار مسجد سے باہر خطبہ کے وقت کھیل کود اور تفریح کا سامان ہو گیا تھا۔دونوں دفعہ مسجد میں خطبہ سننے والے مسلمان دیوانہ وار باہر نکل گئے۔اور یقیناً یہ غلط ہے، لٰہذا یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہے۔۔۔''

(((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۸۱/۱)

جواب : قارئین کرام! یقیناً دو بار سے بھی زائد دفعہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ صحابہ کرام خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، جیسا کہ زیرِ بحث حدیث کے راوی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ خود ہی بیان کرتے ہیں:

كان الجواری إذا نكحوا ، كانوا يمرّون بالكَبَر والمزامير ، ويتركون النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قائما على المنبر ، وينفضون إليها ، فأنزل اللّٰه : ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾

''جب وہ مدینہ والے نکاح کرتے تو چھوٹی بچیاں یا لونڈیاں ڈھول اور مزامیر لے کر

گزرتیں تو لوگ نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے چھوڑ کر اس طرف نکل جاتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾ (جب وہ کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھتے ہیں تو اس طرف چلے جاتے ہیں اور آپ کھڑا چھوڑ جاتے ہیں)۔"(جامع البیان فی فی تاویل القرآن للطبری: ۳۸۸/۲۳، وسندہٗ صحیحٌ)

یعنی جس طرح پہلے نماز کے اندر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں روزمرہ کی بات چیت کر لیا کرتے تھے، لیکن نبیٔ اکرم ﷺ نے ان پر اس وقت تک نکیر نہیں کی، جب تک اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے اس سے روک نہیں دیا، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خطبہ کو معمولی سے معمولی کام کی وجہ سے چھوڑ کر چلے جاتے، جب تک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل نہیں کی، تب تک ایسا کرنا کوئی جرم نہیں تھا، اسی لیے نبیٔ اکرم ﷺ اس سے روکتے نہیں تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس سے روک دیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رک بھی گئے تھے۔ اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے؟

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ولا بعد فی أن تنزّل فی الأمرین معا أو أكثر .** "کوئی بعید بات نہیں ہے کہ یہ آیت دو یا دو سے زیادہ واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔"(فتح الباری لابن حجر: ٤٢٤/٢)

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ... کی تفسیر میں وارد ہونے والی صحیح بخاری کی حدیث کے دفاع میں ہم یہ بات بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ ایک آیت ایک سے زائد واقعات کے بارے میں نازل ہو سکتی ہے۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

جب ایک ہی آیت کئی واقعات کے بارے میں نازل ہو سکتی ہے اور ممانعت سے پہلے صحابہ کرام نماز میں بھی بارہا باتیں کر سکتے ہیں تو پھر ممانعت سے پہلے کئی دو یا زائد بار خطبہ چھوڑ کر جانے میں بھلا کون سا کفر لازم آجاتا ہے اور کون سی درایت اس سے مانع ہے؟

④ اصل اشکال جو اس حدیث پر آتا تھا، وہ میرٹھی صاحب پیش نہیں کر سکے، شاید کہ ان کو خبر ہو گئی ہو گی کہ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وقد استشكل الأصيلىّ حديث الباب ، فقال : إنّ الله تعالىٰ وصف أصحاب محمّد صلّى الله عليه وسلّم بأنّهم : ﴿لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور: ٢٤/٣٧) ، ثمّ أجاب باحتمال أن يكون هذا الحديث كان قبل نزول الآية .انتهى ، وهذا الّذى يتعيّن المصير إليه مع أنّه ليس فى آية النّور التّصريح بنزولها فى الصّحابة .

''اصیلی نے اس حدیث میں یہ اشکال بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے صحابہ کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ان کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی (جبکہ یہ حدیث اس کے خلاف ہے)، پھر انہوں نے خود اس کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث اس آیت (النور:۲۴/۳۷) نے نزول سے پہلے کی ہو۔اسی بات (جو اصیلی نے بیان کی ہے) کو لینا ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ سورۂ نور کی اس آیت میں اس کے صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہونے کی صراحت نہیں۔'' (فتح البارى لابن حجر: ٢/٤٢٥)

اعتراض نمبر ②:

''(ب) مدینہ دارالاسلام تھا۔ وہاں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم نہ تھی اور سب ہی عاقل بالغ لوگ جمعہ میں حاضر ہوتے تھے اور جمعہ کی نماز مسجدِ نبوی کے علاوہ مدینہ میں اور کسی جگہ نہ ہوتی تھی۔ اس لیے یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہم تو یہاں مسجد میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ سارا غلہ دوسرے لوگ خرید کر لے جائیں اور جب ہم فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلیں تو ہمارے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کا بے صبری کے ساتھ غلہ فروشوں کی آمد پر مسجد سے نکل جانا بالکل غیر معقول ہے۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ»: ۸۱/۱)

جواب: ① میرٹھی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مدینہ میں منافقین بھی رہتے تھے۔ ضروری نہیں کہ وہ بھی سب کے سب خطبہ جمعہ میں حاضر ہوئے ہوں۔

اگر حاضر بھی تھے تو قافلے کا سن کر سب سے پہلے وہ اٹھ گئے ہوں گے اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوگا کہ کہیں سارا مال منافقین ہی نہ خرید لیں، پھر ابھی تک خطبہ کے بارے میں سخت احکام بھی نہ آئے تھے اور صحابہ کرام اس میں رخصت ہی سمجھتے تھے، لہٰذا ان کا مسجد سے نکل جانا بالکل معقول تھا۔

۲ نیز ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں سامانِ خورد ونوش کم ہو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہن میں یہ خیال آیا ہو کہ کہیں خطبہ ختم ہونے تک قافلہ واپس ہی نہ چلا جائے۔

۳ عورتوں پر جمعہ فرض نہیں تھا اور وہ خرید وفروخت بھی کرسکتی تھیں، اسی طرح بچے بھی سامانِ تجارت خرید سکتے تھے، لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس خیال کا آجانا کوئی بعید نہ تھا کہ کہیں سامانِ تجارت ختم ہی نہ ہوجائے۔

لہٰذا یہ میرٹھی صاحب کا اپنا درایتی قصور ہے، حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ :

''(ج) اس آیت سے پہلے اہل ایمان کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے۔۔۔''اے اہل ایمان! جمعہ کے دن جب نمازِ جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو ،یعنی اس وقت دنیوی مشغلوں سے دست برداری تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ پس جب نمازِ جمعہ سے فراغت ہوجائے تو اپنے مشاغل کے لیے زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا کچھ فضل تلاش کرو، یعنی مال ورزقِ حلال حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔''

اس کے بعد آیت ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً ﴾ ہے۔ اگر اس آیت میں بھی مسلمانوں کا ہی ذکر اور ان کے عملِ شنیع پر جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، انکار مقصود ہوتا تو **وإذا رأيتم تجارة أو لهوا انفضضتم إليها وتركتم الرّسول قائما** ہوتا، یعنی خطاب کے صیغے لائے

جاتے۔'' (''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۸۱/۱۔۸۲)

جواب : ① گزشتہ حدیث کے دفاع میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ میرٹھی صاحب نے حدیث میں ایک ''غلطی'' نکالنے کی ذلت آمیز کوشش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

'' **لو نعلم** عربیت کے لحاظ سے غلط ہے، صحیح لفظ **لو علمنا** ہے۔''

حالانکہ قرآنِ کریم میں بھی **لو نعلم** موجود ہے۔ ہم نے وہاں بتایا تھا کہ جو اعتراض حدیثِ نبوی میں کیا جائے گا، بعینہ وہی قرآنِ کریم میں آجائے گا، کیونکہ دونوں ایک ہی ذات، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں، لہٰذا اگر میرٹھی صاحب اس کام سے باز ہی رہتے تو اچھا تھا، ان کو عربی زبان وادب سے اتنی واقفیت تو ہے نہیں، لیکن وہ ''پنگا'' لینے سے رہتے نہیں ہیں۔

ان کا یہ اعتراض بھی بالکل اسی طرز کا ہے۔ حالانکہ بات واضح سی ہے کہ پہلے مسلمانوں کو خطاب تھا اور اب رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا گیا کہ آپ بھی ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر وثواب ہے، وہ تمہاری تجارت اور کھیل کود سے بہت بہتر ہے۔ اگر یہ خطاب بھی عام مسلمانوں کو ہوتا تو وہ اشکال آتا جو میرٹھی صاحب نے پیش کیا ہے۔

انکارِ حدیث نے منکرینِ حدیث کے دماغ سے سوچ وفکر کی صلاحیت ہی ختم کر دی ہے۔ کوئی باشعور بچہ بھی ایسی بے وقوفی نہیں ہانک سکتا، جیسی میرٹھی صاحب نے ہانک دی ہے۔

اعتراض نمبر ④ :

''(د) اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر سمجھا جائے تو اس کا آیاتِ سابقہ سے کوئی ربط نہیں رہتا۔ ایسی بے ربطی تو انسانوں کے کلام میں بھی نہیں ہوتی، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کا کیا امکان ہے؟''

(''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۸۲/۱)

جواب : ① قارئین کرام! لیجیے وہی ہوا جو ہم ابھی بتا رہے تھے کہ میرٹھی

صاحب انکارِ حدیث کے نشے میں عقل سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے ہیں۔ بھلا اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہونے سے بے ربطی کیسے آ گئی۔ پچھلی آیات میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر خطبہ کی طرف جلدی جلدی آ جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

جب نمازِ جمعہ ادا ہو چکے تو پھر دوبارہ اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاؤ۔ ان کا ترجمہ گزشتہ اعتراض میں میرٹھی صاحب خود پیش کر چکے ہیں، قارئین وہاں سے پڑھ لیں اور اس سے اگلی آیت یہی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ ان مسلمانوں سے کہہ دو کہ جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ تجارت اور کھیل تماشے سے بہت بہتر ہے۔ بھلا اس سے بے ربطی کیسے آ گئی؟

یہ ہے میرٹھی صاحب کی تحقیق و تنقید! نہ معلوم ایسے نامعقول شخص کو صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟

④ بے ربطی تو میرٹھی صاحب کی بیان کردہ تفسیر سے آتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کر کے بتائیں کہ اہل ایمان کے خطاب کے ساتھ بغیر کسی فاصلے اور بغیر کسی صراحت کے یہود کا تذکرہ بے ربطی ہے یا اہل ایمان کو خطاب کے بعد مسلمانوں کا تذکرہ بے ربطی ہے؟

اعتراض نمبر ⑤ : ''(ہ) اس حدیث میں صحابہ کرام کی طرف جو عمل شنیع منسوب کیا گیا ہے، عصر حاضر کے جاہل مسلمانوں سے بھی اس کا صدور نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا۔ ان واضح وجوہ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس میں جو قصہ مذکور ہے، قطعاً بے اصل ہے۔۔۔ یہاں میں یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس آیت میں ذکر یہود کا ہے۔۔۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)): ۸۲/۱)

جواب : یہ ہے آخری زور جو میرٹھی صاحب نے پوری امتِ مسلمہ کے

اتفاقی فیصلے صحیح بخاری کے خلاف لگایا ہے، لیکن یہ بھی عقل کی کمی کا پروردہ ہے، کیونکہ:

① جب تک خطبہ سننے کی پابندی نہیں آئی تھی، اس وقت تک ایسا کرنا کوئی جرم نہ تھا کہ اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں کمی کا سبب بنے۔

② نماز میں کلام کی ممانعت آنے سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز کے اندر آپس میں بات چیت کر لیتے تھے۔ اگر کوئی جاہل کہہ دے کہ ''عصر حاضر کے جاہل مسلمانوں سے بھی اس کا صدور نہیں ہوسکتا، صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا۔'' تو کیا اس سے اس حقیقت کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟

③ اگر کوئی منکرِ قرآن اسی طرح کا اعتراض قرآنِ کریم پر کر دے اور کہہ دے کہ:

''سورۃ القصص(۲۸ /۱۵) میں ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک ان کی قوم کا تھا اور دوسرے کا تعلق ان کے دشمنوں سے تھا۔ آپ علیہ السلام کی قوم کے آدمی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے آدمی کو مکّا مار کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر اس کام پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔۔۔

قرآنِ کریم کی اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ تحقیق نہیں کی کہ قصور کس کا ہے اور حق پر کون ہے، بلکہ محض تعصب کی بنا پر اسے قتل کر دیا۔۔۔ یہ کام تو عصر حاضر کے کسی منصف مزاج کافر سے بھی ممکن نہیں، موسیٰ علیہ السلام کا تو ذکر ہی کیا۔۔۔ اس وجہ سے میں اس آیت کو باطل سمجھتا ہوں اور اس میں جو قصہ مذکور ہے، وہ قطعاً بے اصل ہے۔'' (نقل کفر کفر نہ باشد)

تو منکرینِ حدیث کا اس کے پاس کیا جواب ہے؟ کیا اس اعتراض سے قرآنِ کریم کی صحت پر کوئی حرف آئے گا؟ جو جواب اس قرآنی آیت کا منکرینِ حدیث دیں گے، وہی ہماری طرف سے قبول کر لیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حق جو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور باطل کو سمجھ کر اس سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے! آمین !
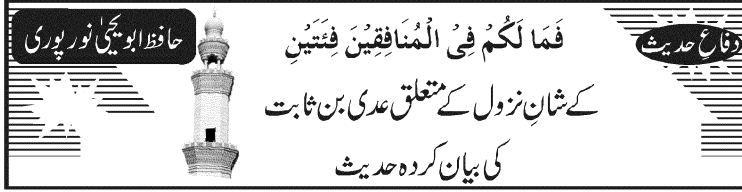
قارئین کرام! سورۃ النساء میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا﴾ (النساء : ٤/ ٨٨)

''(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہے کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمالِ (بد) کی وجہ سے (سابقہ حالت کفر میں) لوٹا دیا ہے؟ کیا جس شخص کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے، تم اس کو ہدایت دینا چاہتے ہو؟ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، تُو اس کے لیے (ہدایت کی) کوئی راہ نہیں پائے گا۔''

غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کے فوج مدینہ سے قریباً ایک ہزار کی تعداد میں مقامِ اُحد کی طرف نکلی تھی، لیکن کچھ منافقین راستے سے ہی واپس ہو گئے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے عرض کی کہ یہ کافر ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے قتال کیا جائے، لیکن بعض نے ان کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے قتال نہ کرنے کی تجویز پیش کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرما کر وضاحت فرما دی کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو آراء نہیں ہونی چاہئیں، بلکہ ایک ہی رائے ہو اور وہ یہ کہ اگر وہ کھلم کھلا اعلانِ بغاوت کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے۔

اس آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر صحیح بخاری کی حدیث میں موجود ہے، لیکن شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق بغیر کسی معقول وجہ کے اس کا انکار کر دیا ہے۔ آیئے ان کے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ①: ''عدی بن ثابت غلو کار شیعہ، یعنی رافضی تھا اور

موقوف روایات کومرفوع بیان کردینے کا خوگر۔ بہت سی صحیح حدیثیں بھی اس نے روایت کی ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور رافضی ہونے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کی آل کے متعلق بے سروپا روایات بھی اس نے ذکر کی ہیں۔ بقول امام ابوحاتم شیعوں کی مسجد کا امام اور ان کا واعظ تھا **کان امام مسجد الشّیعة وقاصّھم** . یحییٰ بن معین نے اسے **شیعیّ مفرط** (غالی شیعہ) اور ابواسحاق جوزجانی نے **مائل عن القصد** (اعتدال سے ہٹا ہوا) بتایا ہے۔ شعبہ نے کہا: **کان من الرّفّاعین** (موقوف روایات کومرفوع بیان کردینے والا تھا)۔'' (««صحیح بخاری کا مطالعه»» : ۱/۸٤_۸۵)

جواب: ① قارئین کرام! ہم پہلے بھی حدیث نمبر ⑥ کے دفاع میں یہ بات بہت واضح طور پر بیان کر چکے ہیں کہ متقدمین جس راوی کو غالی شیعہ کہیں، اس کو رافضی قرار دینا نِری جہالت ہے، کیونکہ بصراحتِ محدثین ایسا راوی رافضی نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ہمارا پالا جاہل لوگوں سے پڑا ہے!

تفصیل کے لیے حدیث نمبر ⑥ پر اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

② موقوف روایات کو مرفوع بنا کر بیان کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی قول یا فعل کو بجائے صحابی کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دینا۔ تُف ہے ایسی سوچ سمجھ پر! جو یہ بھی نہیں بھانپ سکے کہ اس بات کا تعلق سرے سے اس حدیث سے نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں آیتِ کریمہ کا شانِ نزول سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا ہے۔ اگر اس شانِ نزول کے بیان کو رسولِ کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا تو عدی بن ثابت پر یہ اعتراض ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے اس نے کسی صحابی کا قول رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

اگر میرٹھی صاحب کے کسی معتقد کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اُحد کی طرف نکلنے کی بات تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے نا! تو اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں، کیونکہ یہ کسی صحابی

کا فعل نہیں ہوسکتا کہ عدی بن ثابت نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو، بلکہ اتفاقی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر رسول اللہ ﷺ خود ہی اُحد کی طرف نکلے تھے۔

موجودہ صورتِ حال میں عدی بن ثابت پر یہ جرح نقل کرنا سوائے ورق سیاہ کر کے کتاب کا حجم بڑھانے کے اور کچھ بھی نہیں۔

③ خود میرٹھی صاحب نے اقرار کرلیا ہے کہ بہت سی صحیح احادیث بھی اس نے بیان کی تھیں۔ یقیناً یہ حدیث بھی ان بہت سی صحیح حدیثوں میں سے ایک ہے، کیونکہ اگر یہ ان میں سے نہ ہوتی تو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کبار محدثین کو ضرور معلوم ہو جاتا اور وہ ضرور اس کی وضاحت کر دیتے۔ حیرت ہے کہ فن حدیث کے امام تو اس سے بے خبر رہے اور شیعہ اور رافضی کا فرق بھی نہ سمجھ سکنے والے میرٹھی صاحب اس سے واقف ہو گئے!

④ میرٹھی صاحب کا یہ جھوٹ بھی بکری کو اونٹ کہنے کے مترادف ہے کہ کچھ لوگوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، کیونکہ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی توثیق کی ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدی بن ثابت ثقہ ہیں۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۷، وسندهٗ صحیحٌ)

۲۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو صدوق . ''وہ سچے راوی ہیں۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۷)

۳۔ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **عدیّ بن ثابت الأنصاریّ ثقة ثبت فی الحدیث ... و کان شیخا عالیا فی عداد الشّیوخ ...**

''عدی بن ثابت انصاری حدیث میں بہت ہی زیادہ قابل اعتماد تھے۔۔۔شیوخ میں سے وہ بڑے عالی قدر شیخ تھے۔۔۔'' (الثقات للعجلی: ۱۲۲۲)

۴۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **و عدیّ ثقة .** ''اور عدی (بن ثابت) ثقہ راوی ہیں۔'' (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۳۹۹)

۵۔ امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

(تاریخ اسماء الثقات : ۱۰۷۱)

۶۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔(الثقات لابن حبان : ٤٧٨٥)

۷۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں ان کی بہت سی احادیث پیش کر کے ان کی ثقاہت پر مہر لگائی ہے۔

(صحیح مسلم : ۷۵، ۷۸، ٤٦٤، ٦٦٦، ۱۰۱۵، ۱۰۲۰، وغیرھا)

۸۔ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی عدی بن ثابت ثقہ ہیں، کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتاب صحیح ابنِ خزیمہ میں ان کی کئی احادیث پیش کی ہیں، جو کہ ان کی طرف سے توثیق ہیں۔(صحیح ابن خزیمة : ۵۲۲، ۹۲۵، ١٤٣٦، ۱۵۹۰، وغیرھا)

۹۔ امام ابن الجارود رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیقِ ضمنی کی ہے۔

(المنتقی لابن الجارود : ٦٨١)

۱۰۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی احادیث کو ''بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح'' قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔(المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۸۹۳، ۳۳۰۳، وغیرھا)

۱۱۔ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بھی ان کی احادیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔(المختارۃ للضیاء المقدسی : ۲۵۱، وغیرھا)

۱۲۔ مسند ابی عوانہ میں بھی ان کی احادیث موجود ہیں، جو کہ امام ابوعوانہ کے نزدیک ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہیں۔(مسند ابی عوانة : ١١٥٤، ۱۷۷۳، وغیرھا)

۱۳۔ ناقدِ رجال حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سارے اقوال کو مدِنظر رکھ کر لکھا ہے:

ثقة ، لکنّه قاصّ الشّیعة وإمام مسجدھم بالکوفة .

''وہ ثقہ تھے، لیکن شیعہ کے واعظ اور کوفہ میں ان کی مسجد کے امام تھے۔''

(الکاشف للذھبی : ۳۷۵۸)

۱۴۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی سب محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثقة ، رمی بالتّشیّع . ''ثقہ تھے، ان پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔''

(تقریب التھذیب لابن حجر : ٤٥٣٩)

ان کے علاوہ بھی بہت سے ماہرینِ رجالِ حدیث کے اقوال پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن وہ طوالت کا باعث ہوں گے۔

اب قارئین کرام خود ہی فیصلہ کر لیں کہ حدیث کے اماموں اور ماہرینِ فن لوگوں کی بات معتبر ہو گی یا میرٹھی صاحب کی، جن کو متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحِ ''شیعہ'' میں موجود فرق کا بھی علم نہیں؟

رہی یہ بات کہ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عدیّ بن ثابت ممّن یجب التّثبّت فی نقله .

''عدی بن ثابت ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی نقل کردہ روایات کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔'' (تھذیب التھذیب لابن حجر : ١٦٥/٧)

اوّلاً تو اس کی سند معلوم نہیں، نہ ہی ہمیں امام طبری رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں یہ قول ملا ہے۔

ثانیاً یہ کوئی ایسی جرح نہیں، جس سے عدی بن ثابت کا رافضی یا جھوٹا ہونا لازم آتا ہو۔

رہا امام دارقطنی کا ان کو غالی رافضی کہنا (سوالات السلمی للدارقطنی : ٢٠١) تو وہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ ان سے یہ قول بیان کرنے والا راوی ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی خود گمراہ صوفی تھا۔

اس کے بارے میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ، محمد بن یوسف القطان سے نقل کرتے ہیں:

کان أبو عبد الرّحمن السّلمی غیر ثقة ... وکان یضع للصّوفیة الأحادیث . ''ابوعبدالرحمٰن السلمی ثقہ نہیں تھا، یہ صوفیوں کے لیے احادیث گھڑتا تھا۔''

(تاریخ بغداد : ۲ /۲٤۸)

نیز وہ اس حسین بن منصور الحلاج گمراہ وکافر صوفی کا معتقد تھا، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فتدبّر یا عبد اللّٰہ ! نحلة الحلّاج الّذی ھو من رؤوس القرامطة ، ودعاة الزندقة ، وأنصف ، وتورّع ، واتّق ذلک ، وحاسب نفسک ، فإن تبرھن لک أنّ شمائل ھذا المرء شمائل عدوّ للإسلام ، محبّ للرّئاسة ، حریص علی الظّھور بباطل وبحقّ ، فتبرّأ من نحلته ، وإن تبرھن لک ـ والعیاذ باللّٰہ ـ أنّه کان ـ والحالة ھذہ ـ محقّا ، ھادیا ، مھدیّا ، فجدّد إسلامک ، واستغث بربّک أن یوفّقک للحقّ ، وأن یثبّت قلبک علی دینه ، فإنّما الھدی نور یقذفه اللّٰہ فی قلب عبدہ المسلم ، ولا قوّة إلّا باللّٰہ ...**

''اے اللہ کے بندے ! آپ اس حلّاج کے مذہب پر غور کریں ، جو کہ قرامطہ (غالی اورخطرناک قسم کے رافضی لوگوں) کا ایک سرداراورالحادو بے دینی کا زبردست داعی تھا ۔ آپ انصاف وغیر جانبداری سے کام لیں ، اس سے بچ جائیں اوراپنے نفس کا محاسبہ کریں ۔ اگر آپ کے لیے واضح ہوجائے کہ اس شخص کے خصائل اسلام دشمن ، حکومت پسند اور باطل وحق کے اختلاط کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے خواہش مند شخص کے خصائل ہیں تو فوراً اس کے مذہب سے دستبردار ہوجایئے ! اوراللہ نہ کرے ، اگر اس صورتِ حال کے باوجود آپ کو وہ حق بجانب ، ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ نظر آئے تو اپنے اسلام کی تجدید کیجیے اوراپنے ربّ سے مدد مانگیے کہ وہ آپ کو حق کی توفیق دے اورآپ کے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھے ، کیونکہ ہدایت تو ایک نور ہے ، جسے اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندے کے دل میں جاگزیں کردیتا ہے ۔ گمراہی سے بچنے اورحق کو پانے کی قوت وطاقت صرف الہ تعالیٰ دیتا ہے ۔۔۔'' (سیر اعلام النبلاء : ۱٤/۳٤٥)

اسی لیے خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ ابوعبدالرحمٰن السلمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وما ھو بالقویّ فی الحدیث . ''یہ حدیث میں قوی نہیں تھا ۔''

(سیر اعلام النبلاء للذھبی : ۲۵۱/۱۷)

ان وجوہ کی بنا پر امام دارقطنی کا عدی بن ثابت کو رافضی کہنا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ پایا، البتہ ان کا عدی بن ثابت کو ثقہ کہنا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ **والحمد للہ !**

اگر کوئی امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قول کو ثابت ہی سمجھے تو بھی یہ قول عدی بن ثابت کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ امام موصوف نے ان کو غالی رافضی کہنے کے متصل پہلے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے، جبکہ غالی رافضی تو کافر ہوتے ہیں۔ بھلا امام دارقطنی رحمہ اللہ جیسا شخص ایک کافر کو ثقہ کیسے قرار دے سکتا ہے؟ اگر یہ قول تسلیم کیا جائے تو اس کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا۔

⑤ جب میرٹھی صاحب عدی بن ثابت کا رافضی ہونا ہی ثابت نہیں کر سکے تو یہ کہنا سینہ زوری ہے کہ: ''رافضی ہونے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کی آل کے متعلق بے سروپا روایات بھی اس نے ذکر کی ہیں۔''

محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت ان کو حدیث میں قابل اعتماد قرار دے رہی ہے۔ ان سب کے خلاف میرٹھی صاحب کی خودساختہ بات کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

⑥ میرٹھی صاحب نے امام ابوحاتم رحمہ اللہ کا قول پیش کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے، وہ اس طرح کہ ان کا یہ قول تو پیش کر دیا ہے کہ وہ شیعہ کے امام اور واعظ تھے، لیکن اس سے پہلے الفاظ ذکر نہیں کیے، کیونکہ وہ ان کے خلاف تھے۔ ہم باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے شیعہ کا امام و واعظ کہنے سے پہلے عدی بن ثابت کو ''صدوق'' یعنی سچا راوی قرار دیا ہے۔

یہ میرٹھی صاحب کے منہ پر ایک زوردار علمی طمانچہ ہے کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ شیعہ ہونے کے باوجود اسے سچا قرار دے رہے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ ہونا اصولِ حدیث میں کوئی جرح نہیں ہے اور میرٹھی صاحب کا اس پر بے سروپا روایات بیان کرنے کا الزام لگانا بہت بڑا بہتان ہے۔

⑦ رہا امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا عدی کو غلو کار شیعہ کہنا تو اولاً اس کی کوئی سند ہمیں

نہیں مل سکی۔ثانیاً اس کا معنیٰ رافضی ہونا نہیں ،لہٰذا یہ کوئی جرح نہیں ،جیسا کہ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

⑧ ابواسحاق جوزجانی کا انہیں **مـائل عن القصد** (اعتدال سے ہٹے ہوئے) قرار دینا تو یہ کونسی جرح ہے؟ متقدمین کی اصطلاح میں جن کو شیعہ کہا جاتا تھا ، وہ واقعی اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوتے تھے ،لیکن ان کا اعتدال سے ہٹنا انہیں کفر تک نہیں لے جاتا تھا ، نہ ہی اس بےاعتدالی میں وہ جھوٹ بولتے تھے،لہٰذا اس کا ان کی حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نیز ہم حدیث نمبر ⑥ میں بیان کر چکے ہیں کہ ابواسحاق جوزجانی ناصبی ہیں ۔شیعہ راویوں کے خلاف جرح میں وہ خود اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں،لہٰذا ان کی یہ جرح اصولاً بھی مردود ہے۔

⑨ رہا امام شعبہ رحمہ اللہ کا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دینے والے تھے تو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس جرح کا تعلق اس حدیث سے ہے ہی نہیں ، یہ بات میرٹھی صاحب کی کم عقلی کو ظاہر کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

یہ تھے میرٹھی صاحب کے عدی بن ثابت پر اعتراضات والزامات جن کا حشر آپ نے دیکھ لیا ہے۔اب آپ خود انصاف سے کام لے کر فیصلہ کریں کہ بھلا اس وجہ سے حدیثِ صحیح بخاری کا انکار کرنا عدل وانصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

❀❀❀❀❀❀❀

مذاکرۂ حدیث

صحابیٔ رسول سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تـذاكـروا الحديث ، فإنّ الحديث يهيج الحديث . ''تم حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، کیونکہ ایک حدیث دوسری کو حرکت دیتی ہے۔'' (سنن الدارمی : ح ٥٩٥، واللفظ له ، شرف اصحاب الحديث للخطيب البغدادی : ١٩٦، وسندهٗ صحيحٌ)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

أطيعوني ما أطعت الله ورسوله ، فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم . ''میری اطاعت اس وقت تک کرنا، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری کسی قسم کی کوئی اطاعت فرض نہیں۔''(السيرة لابن هشام : ٦ /٨٢، وسندهٔ حسنٌ)

ہمارا فرض بنتا ہے کہ غلو وتقصیر سے بچتے ہوئے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حرزِ جان بنائیں۔ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر بجالائیں،جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے: **فالغلو والإطراء منهي عنه ، والأدب والتوقير واجب ، فإذا اشتبه الإطراء بالتوقير توقف العالم وتورع ، وسأل من هو أعلم منه حتى يتبين له الحق ، فيقول به ، وإلا فالسكوت واسع له ، ويكفيه التوقير المنصوص عليه في أحاديث لا تحصى ، وكذا يكفيه مجانبة الغلو الذي ارتكبه النصارى في عيسى ما رضوا له بالنبوة حتى رفعوه إلى الإلهية وإلى الوالدية ، وانتهكوا رتبة الربوبية الصمدية ، فضلوا وخسروا ، فإن إطراء رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤدي إلى إساءة الأدب على الرب ، نسأل الله تعالى أن يعصمنا بالتقوى ، وأن يحفظ علينا حبنا للنبي صلى الله عليه وسلم كما يرضى .** ''غلو اور اطراء (تعظیم میں حد سے بڑھ جانا) ممنوع

ہے، جبکہ ادب اور توقیر واجب ہے۔ جب اطراء اور توقیر مشتبہ ہو جائیں تو عالم آدمی کو توقف کرنا چاہیے اور رک جانا چاہیے، حتی کہ وہ اپنے سے بڑے عالم سے اس بارے میں دریافت کر لے، تا کہ اس کے لیے حق واضح ہو جائے، پھر وہ اس کے بارے میں بات کرے، ورنہ خاموشی ہی اس کے لیے اچھی ہے۔ اسے وہی توقیر کافی ہے، جس پر بے شمار احادیث میں نص قائم کر دی گئی ہے، اسی طرح اسے اس غلو سے بچنا کافی ہے، جس کا ارتکاب نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ وہ ان کی نبوت پر راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ انہوں نے ان کو الوہیت اور والدیت تک پہنچا دیا اور ربوبیت وصمدیت کا رتبہ گرا دیا۔ وہ گمراہ اور ناکام ہو گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں حد سے بڑھنا اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تقویٰ کے ذریعے ہمیں بچا لے اور جیسے اسے پسند ہے، اسی طرح ہمارے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محفوظ کرے۔'' (میزان الاعتدال للذہبی : ۲/ ۶۵۰)

''قبوری فرقہ'' نے غلو میں انتہا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی بجائے بدعات کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان کی جاری کردہ بدعات میں سے ایک بری بدعت یہ ہے کہ یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی، اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں۔ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔ اگر یہ کوئی نیکی کا کام ہوتا یا شریعت کی رُو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر ہوتی تو صحابہ کرام اور ائمہ عظام ضرور بالضرور اس کا اہتمام کرتے۔ وہ سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والے تھے۔ کسی ثقہ امام سے اس کا جواز یا استحباب ثابت نہیں، لہٰذا یہ دین نہیں، بلکہ دین کی خلاف ورزی ہے۔

اس بدعت کے ثبوت پر مبتدعین کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ①: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق مسند الفردوس از دیلمی میں روایت ہے: **أنّه لمّا سمع قول المؤذّن : أشهد أنّ محمّدا**

رسـول اللّـه ، قـال هذا ، وقبّل باطن الأنملتين السبّابتين ، ومسح عينيه ، فقال صلّى اللّٰه عليه وسلّم : من فعل مثل ما فعل خليلی ، فقد حلّت عليه شفاعتی .

''جب آپ ﷺ نے مؤذن کو أشهـد أنّ محمّدا رسول اللّٰه کہتے سنا تو یہی الفاظ کہے اور دونوں انگشتِ شہادت کے پورے جانبِ زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا، جو ایسا کرے، جیسا کہ میرے پیارے نے کیا ہے، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے۔''(المقاصد الحسنة للسخاوی : ص ٣٨٤)

تبصرہ : ① یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔ اس کے ''صحیح'' ہونے کے مدعی پر سند پیش کرنا ضروری ہے۔ ساتھ ساتھ راویوں کی توثیق اور اتصالِ سند بھی ضروری ہے۔ یہ بدعتیوں کی شان ہے کہ وہ سندوں سے گریزاں ہیں۔

② پھر مزے کی بات یہ ہے کہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۸۳۱۔۹۰۲ھ) نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ: لا یصحّ . ''یہ روایت صحیح نہیں ہے۔''

بعض بدعتی یہ کہتے ہیں کہ لا یـصـحّ . ''یہ روایت صحیح نہیں ہے۔'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ''حسن'' بھی نہیں ہے، یہ ان کے اپنے منہ کی بات ہے، ہمیں اس روایت کی سند درکار ہے، جسے پیش کرنے سے بدعتی لوگ قاصر رہتے ہیں۔

دلیل نمبر ② : سیدنا خضر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے، انہوں نے فرمایا: مـن قال حين يسمع المؤذّن يقول : أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه ، مـرحبـا بـحبّـی وقرّة عينی محمّد بن عبد اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، ثمّ يقبّل إبهاميه ، ويجعلهما على عينيه ، لم يرمد أبدا . ''جو شخص مؤذن سے اشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه کے الفاظ سن کر مـرحبا بحبّی وقرّة عينی محمّد بن عبـد اللّـه صـلّـى اللّـه عليه وسلّم کہے، پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے، اس

آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔‘‘(المقاصد الحسنة للسخاوی : ص ۳۸٤)

تبصرہ : یہ بے سند و بے ثبوت روایت ''ضعیف'' اور باطل ہے، حافظ سخاوی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه .**
''یہ ایسی سند کے ساتھ ہیں، جس میں کئی مجہول راوی ہیں، ساتھ ساتھ انقطاع بھی ہے۔''

مبتدعین اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ ''مجہول'' راوی کی روایت ''ضعیف'' نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ راویوں کی جہالت تو حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے بیان کی، آپ اس کی سند تو پیش کریں۔ رہا مسئلہ ''مجہول'' راوی کی روایت کا تو لیجیے امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان سن لیں:

لا نقبل خبر من جهلناه ، وكذلك لا نقبل خبر من لم نعرفه بالصدق وعمل الخير . ''ہم (محدثین) مجہول راوی کی حدیث کو قبول نہیں کرتے، نہ ہی اس شخص کی روایت کو قبول کرتے ہیں، جس کی سچائی اور نیکی کو ہم نہیں جانتے۔''

(اختلاف الحديث للشافعي : ۱۳، معرفة السنن والآثار للبيهقي : ۱/ ۱۲)

دوسری بات یہ ہے کہ دین متصل روایات کا نام ہے۔ صحیح حدیث کی شرطوں میں بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو۔ کیا کریں کہ ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے، جن کو اپنی بدعتوں کی پڑی ہے، محدثین کے اصولوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے۔

اب ان روایات کے متعلق علمائے کرام کی آراء بھی سن لیں:

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۸۳۱-۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: **لا يصحّ في المرفوع من كلّ هذا شيء .** ''اس معنیٰ کی مرفوع احادیث میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔''

(المقاصد الحسنة للسخاوي : ص ۳۸٥)

ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: **كلّ ما يروى في هذا ، فلا يصحّ رفعه البتّة .** ''اس بارے میں جتنی بھی مرفوع روایات ہیں، ان میں سے کوئی

بھی قطعاً ثابت نہیں ہے۔'' (الموضوعات الکبریٰ للقاری الحنفی : ص ۲۱۰)

ابنِ عابدین حنفی (۱۱۹۸۔۱۲۵۲ھ) نقل کرتے ہیں: **لا یصحّ فی المرفوع من کلّ هذا شیء .** ''ان سب میں سے کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں۔''

(ردّ المحتار لابن عابدین الحنفی : ۲۹۳/۱)

ہم کہتے ہیں کہ ان روایات کے ''صحیح'' یا ''ضعیف'' ہونے کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ پہلے ان کی سندیں دکھائی جائیں، ورنہ بدعتی تسلیم کریں کہ ان کا ''دین'' بے سند ہے۔

تنبیہ : ① ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: **وإذا ثبت رفعه إلی الصدّیق رضی اللّٰہ تعالی عنه فیکفی للعمل به .** ''جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک اس کا پہنچنا ثابت ہو گیا ہے تو عمل کرنے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔''

(الموضوعات الکبریٰ للقاری الحنفی : ص ۲۱۰)

تبصرہ : پہلے اس کی سند پیش کی گئی، پھر راویوں کی توثیق پیش کی جائے۔ ایک ملا کی بات کا کیا اعتبار؟

② احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (۱۳۲۴۔۱۳۹۱ھ) ''انجیل برنباس'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نورِ مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکا دیا گیا۔ انہوں نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور انگوٹھوں سے لگایا۔'' (««جاء الحق»» از نعیمی : ۳۹۸)

تبصرہ : ہمیں قرآن وحدیث کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، محرف ومبدل کتابوں کے حوالے وہی ذکر کرتے ہیں، جن کے پاس قرآن وحدیث کی دلیل نہ ہو۔ ذرا اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ سے تو اس کا ثبوت فراہم کریں یا کسی ثقہ مسلمان سے باسندِ صحیح ایسا کرنا ثابت کردیں!

نیز احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔''(«جاء الحق» : ٤٠١/١)

ہمارا مطالبہ سند کا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق فضائل اعمال سے نہیں، بلکہ شرعی احکام سے ہے کہ اذان میں نبیٔ اکرم ﷺ کا نامِ مبارک سن کر انگوٹھے چومنے چاہئیں یا نہیں، فضائل کی بات تو بعد میں ہے۔

قارئین کرام خوب یاد رکھیں کہ دین ''صحیح'' روایات کا نام ہے، فضائل کا تعلق بھی دین سے ہے۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) لکھتے ہیں: **ولم أعتبر ذلک الضعیف ، لأنّ روایة الواهی ومن لم یرو سیان .** ''میں نے اس ضعیف راوی کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ کمزور راوی کی روایت نہ ہونے کے برابر ہے۔''(الثقات لابن حبان : ٩ /١٥٩)

نیز لکھتے ہیں: **كأنّ ما روى الضعیف وما لم یرو فی الحکم سیان .**

''گویا کہ ضعیف کی روایت حکم میں نہ ہونے کے برابر ہے۔''

(المجروحین لابن حبان : ١ /٣٢٨، ترجمة سعید بن زیاد الداری)

حافظ ابنِ حجر العسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: **ولا فرق فی العمل بالحدیث فی الأحکام أو فی الفضائل ، إذ الکلّ شرع .**

''احکام یا فضائل میں حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں (فضائل اور احکام) شریعت ہی تو ہیں۔''(تبیین العجب بما ورد فی شهر رجب لابن حجر : ص ٢)

''ضعیف'' حدیث کو کوئی بھی دین نہیں کہتا!

جناب احمد یار خان نعیمی گجراتی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''اور اس کو حرام

کہنا محض جہالت ہے، جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے، اس کو منع نہیں کر سکتے۔ استحباب کے لیے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے، مگر کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔'' (««جاء الحق»» : ۳۹۹/۱)

کوئی ثقہ مسلمان ایسا نہیں ہے، جس سے باسندِ صحیح انگوٹھے چومنے کو مستحب کہنا ثابت ہو۔ مدعی پر دلیل لازم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لگتا ہے کہ نعیمی صاحب کو اپنی ذکر کردہ روایات پر اعتبار نہیں ہے، تبھی تو لوگوں کا بے ثبوت عمل پیش کر رہے ہیں، ہم تو اس فعل کو بدعت کہتے ہیں، کیونکہ اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ممانعت کی صریح دلیل نہیں، اس لیے اس کو ناجائز و بدعت نہیں کہنا چاہیے، یہ قول خود ''محض جہالت'' ہے، کیونکہ بدعتیوں کا اپنی ایجاد کردہ بدعات کو آخری سہارا یہی ہوتا ہے، حالانکہ عبادات اور دین کے متعلق احکام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں، ممانعت کو نہیں، اذن و اجازت کو دیکھا جاتا ہے۔ اس ''محض جہالت'' پر مبنی بات کو مان لیا جائے کہ ممانعت نہیں آئی، اس لیے جائز ہے تو پھر ہر بدعت والا کام دین کا حصہ قرار پائے گا۔ اگر کوئی عید الفطر سے پہلے اذان کہے، جبکہ اس کے بارے میں ممانعت صریح کہیں بھی نہیں ہے، تو کیا وہ مستحب کہلوائے گی؟

علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ (۵۹۹۔۶۶۵ھ) فرماتے ہیں:

فكلّ من فعل أمرا موهما أنّه مشروع، وليس كذلك، فهو غال فى دينه، مبتدع فيه، قائل على اللّٰه غير الحقّ، بلسان مقاله، أو لسان حاله.

''ہر وہ شخص جو کسی کام کو مشروع سمجھتے ہوئے کرتا ہے، حالانکہ وہ مشروع نہیں ہوتا تو وہ اپنے دین میں غلو سے کام لینے والا، دین میں بدعت نکالنے والا اور زبانِ قال یا زبانِ حال کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا ہوتا ہے۔'' (الباعث علی انکار البدع والحوادث : ص ۲۰۔۲۱)

بازو یا جسم کے کسی بھی حصہ پر سوئی یا کسی بھی چیز سے گود کر رنگ یا سرمہ بھرنا، پھر اپنا یا محبوب کا لکھنا، نشان یا نقش وغیرہ بنانا مرد وزن سب کے لیے حرام، کبیرہ گناہ اور موجبِ لعنت ہے، جیسا کہ:

① سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة .

''اللہ تعالیٰ نے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی عورتوں پر اور جسم کو گود کر نشان بنانے والی اور بنوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

(صحیح البخاری : ٥٩٤٧، صحیح مسلم : ٢١٢٤)

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات ، والمتنمّصات ، والمتفلّجات للحسن ، المغيّرات خلق اللّٰه ، ما لي لا ألعن من لعن رسول اللّٰه ، وهو في كتاب اللّٰه .**

''اللہ تعالیٰ نے جسم کو گود کر نشان بنانے والیوں پر اور بنوانے والیوں پر، چہرے سے بال نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پر، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں، جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، یہ بات اللہ کی کتاب میں بھی ہے۔''

(صحیح البخاری : ٥٩٤٨، صحیح مسلم : ٢١٢٥)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم کو گود کر رنگ بھرنے سے منع فرمایا ہے۔(صحیح البخاری : ٥٩٤٨، صحیح مسلم : ٢١٨٧)

④ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **أنّ النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم نهی عن ثمن الدم ، وثمن الکلب ، وآکل الربا ومؤکله ، والواشمة والمستوشمة .** ''یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت اور کتے کی قیمت سے منع فرمایا اور سود کھانے والے اور کھلانے والے اور جسم کو گود کر نشان بنانے والی عورتوں اور بنوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (صحیح البخاری : ۵۹۴۵)

⑤ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **أتی عمر بامرأة تشم ، فقام ، فقال : أنشدکم باللّٰه ، من سمع من النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی الوشم ؟ فقال أبو هریرة : فقمت ، فقلت : یا أمیر المؤمنین ! أنا سمعت ، قال : ما سمعت ؟ قال : سمعت النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول : لا تشمن ، ولا تستوشمن .** ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو جسم کو گود کر نشان بناتی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جسم کو گود کر نشان بنانے کے بارے میں سنا ہے؟ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا، اے امیر المومنین ! میں نے سنا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ نے کیا سنا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عورتیں نہ تو جسم کو گود کر نشان بنائیں اور نہ ہی بنوائیں۔'' (صحیح البخاری : ۵۹۴۶)

تنبیہ : قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دخلت أنا وأبی علی أبی بکر ، وإذا هو رجل أبیض ، خفیف الجسم ، عنده أسماء ابنة عمیس تذبّ عنه ، وهی موشومة الیدین ، کانوا وشموها فی الجاهلیّة نحو وشم البربر . ''میں اور میرے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ سفید رنگ، ہلکے جسم والے شخص تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سیدہ اسماء بنتِ

عمیس رضی اللہ عنہا آپ سے مکھیاں اڑا رہی تھیں، ان کے ہاتھوں میں گود کر نشانات ڈالے ہوئے تھے۔ ان کے گھر والوں نے دورِ جاہلیت میں حبشیوں کی طرز پر ان کو گودا تھا۔''

(تهذيب الآثار للطبري : ١٥٤، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کی ایک وجہ تو یہ بیان ہوگئی ہے کہ دورِ جاہلیت میں ایسا ہو گیا۔ اس روایت کی سند کو ''صحیح'' قرار دیتے ہوئے دوسری وجہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ اس فعل کے بارے میں ممانعت ان تک نہیں پہنچی ہوگی یا ان کے ہاتھ پر کوئی زخم ہوگا، گودنے کے نشان کی مانند اس کا نشان باقی رہ گیا ہوگا۔''(فتح الباری لابن حجر : ١٠/ ٣٧٦-٣٧٧)

اس قبیح فعل کو علامہ قرطبی رحمہ اللہ (تفسیر القرطبی : ٥/ ٣٩٣) اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (اعلام الموقعین : ٤٠٣/٤) نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس گناہ کے خاتمہ کے لیے توبہ ضروری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں بگاڑ کا باعث ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو شیطان کا بیان نقل کیا ہے، یہ فعل اس کے زمرہ میں آتا ہے:

﴿ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء : ١١٩)

''میں ضرور ان کو حکم دوں گا اور وہ لوگ ضرور اللہ کی تخلیق کو بدلیں گے۔''

اللّٰهمّ وفّقنا لما تحبّ وترضىٰ !

****

معیارِ حق

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١-٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

وكلّ قول ينفرد به المتأخّر عن المتقدّمين ، ولم يسبقه إليه أحد منهم ، فإنّه يكون خطأ . ''ہر وہ بات جو متقدمین سے ہٹ کر کوئی متاخر کہے اور اس سے پہلے متقدمین میں سے کسی نے وہ بات نہ کہی ہو تو وہ یقیناً غلط ہوگی۔''(مجموع الفتاوی : ٢٩١/٢١)

اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲۔۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أمّا الكلام فی الصفات ، فإنّ ما روی منها فی السنن الصحاح ، مذهب السلف إثباتها وإجراؤها علی ظواهرها ، ونفی الكيفيّة والتشبيه عنها ، وقد نفاها قوم ، فأبطلوا ما أثبته اللّٰه ، وحقّقها قوم من المثبتين ، فخرجوا فی ذلک إلی ضرب من التشبيه والتكييف ، والقصد إنّما هو سلوک الطريقة المتوسّطة بين الأمرين ، ودين اللّٰه تعالی بين الغالی فيه والمقصّر عنه . والأصل فی هذا أنّ الكلام فی الصفات فرع الكلام فی الذات ، ويحتذی فی ذلک حذوه ومثاله ، فإذا كان معلوما أنّ إثبات ربّ العالمين إنّما هو إثبات وجود لا إثبات كيفية ، فكذلک إثبات صفاته إنّما هو إثبات وجود لا إثبات تحديد وتكييف . فإذا قلنا : للّٰه يد وسمع وبصر، فإنّما هی صفات أثبتها اللّٰه لنفسه ، ولا نقول : إنّ معنی اليد القدرة ، ولا إنّ معنی السمع والبصر العلم ، ولا نقول : إنّها جوارح . ولا نشبّهها بالأيدی والأسماع والأبصار التی هی جوارح وأدوات للفعل ، ونقول : إنّما وجب إثباتها لأنّ التوقيف ورد بها ، ووجب نفی التشبيه عنها لقوله : ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾(الشوری : ۱۱) ، ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ (الاخلاص : ٤)

''رہی صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بات تو جو صحیح احادیث ان کے بارے میں مروی ہیں، سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ ان کا اثبات کیا جائے اور ان کو ظاہر پر رکھا جائے ، نیز ان سے کیفیت وتشبیہ کی نفی کی جائے۔لیکن کچھ لوگوں نے ان صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت کردہ چیز کا ابطال کیا ہے، جبکہ بعض لوگوں نے ان کو ثابت کیا ہے، لیکن وہ اس سلسلے میں ایک قسم کی تشبیہ وتکییف کی طرف نکل گئے ہیں۔اعتدال ان دونوں راستوں کے درمیان چلنے کا نام ہے، کیونکہ اللہ کا دین غلو وتقصیر کے درمیان میں ہے۔

اس بارے میں دلیل یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کلام ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کلام کی فرع ہے، لہٰذا ان میں بھی اسی طرح کی روش اختیار کی جائے گی۔جب یہ بات معلوم ہے کہ رب العالمین کا اثبات صرف ایک وجود کا اثبات ہے، کیفیت کا نہیں تو اسی طرح ہی صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات بھی صرف وجود کا اثبات ہوگا، تحدید وتکییف کا نہیں ۔جب ہم کہیں گے کہ اللہ کا ہاتھ، سمع اور بصر ہے تو یہ وہ صفات ہیں، جن کو خود اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے۔ہم یوں نہیں کہیں گے کہ ہاتھ کا معنیٰ قدرت ہے، نہ ہی یہ کہیں گے کہ سمع وبصر سے مراد علم ہے، نہ ہی ہم ان صفات کو اعضا قرار دیں گے اور نہ ہی ہم ان صفات کو ان ہاتھوں، کانوں اور آنکھوں سے تشبیہ دیں گے، جو کہ اعضا اور فعل کے آلات ہیں۔بلکہ ہم کہیں گے کہ ان صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات واجب ہے، کیونکہ ان کے بارے میں نصوص وارد ہوئی ہیں اور ان صفاتِ باری تعالیٰ سے تشبیہ کو ختم کرنا بھی واجب ہے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾(الشوری : ۱۱) (اس جیسی کوئی چیز نہیں) ، نیز فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾(الاخلاص : ٤) (اور اس کا کوئی ہمسر نہیں)۔''

(سیر اعلام النبلاء للذہبی : ۲۸۴/۱۸، وسندہٗ صحیحٌ)